محمد طاہر بوستان خان
شعبہ اُردو ، کیڈٹ کالج ،سوات
ڈاکٹر محمد شہباز
استاد، شعبہ انگریزی، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

رحمان باباؒاور فراق گورکھ پوری کا تصورِ مرگ و حیات

Both Rahman Baba and Firaq Gorakh Pori are well known poets of Pashto and Urdu literature respectively. Both of them depict strong faith on the day of resurrection. We can frequently witness concepts of life and death in their works. Both of poets consider life as a scared trust of death. Their poems vividly depict their staunch belief in the values of Islam. They emphasize the aims of life and highlight through poems that life is much more than just troubles and problems. They tend to believe that death is not the end of life, rather, it is beginning for new and eternal world.

اس حقیقت سے کسی بھی انسان کو انکار نہیں کہ زندگی موت کی امانت ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کو معانی دیتے ہیں۔موضوع کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمرانی نظریہ ہے ،کیوں کہ یہ نظریہ معاشرتی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔اس نظریے کے نہ صرف مسلمان بل کہ غیر مسلم بھی قائل ہیں۔سقراط کی زندگی اس فلسفہ کی تصویر ہے۔انہوں نے اپنے نوجوانوں میں زندگی کے ساتھ صداقت اور انصاف کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اُس کے متعلق ڈاکٹر سیّد عابد حسین کہتے ہیں:

اس کے کتب خانے ،اس کے مدرسے،ایتھنز کے بازار ، ورزش خانے اور تفریح گاہیں تھیں ، جہاں لوگ ، خصوصاً نوجوان کثرت سے جمع ہوتے تھے ، اس کی کتابیں ان کی زندگیاں تھیں جن کا وہ گہری نظر سے مطالعہ کرتا تھا اور اس کی بیاضیں ان کے دل تھے جن پر وہ اپنے نتائج فکر تحریر کیا کرتا تھا ۔وہ سو فسطائیوں کا مد مقابل اور حریف تھا۔"(۱)

اس طرح مشہور فلسفی ارسطو کے نزدیک زندہ رہنا یا زندگی گزانا کافی نہیں بل کہ بہترین زندگی گزارنا ہے۔اس حوالے سے امجد محمود لکھتے ہیں:

انسان کے لیے انفرادی طور پر اور ریاست کی شکل میں ان کے مجموعے کے طور پر بہترین زندگی وہ ہے جس میں نیکی کو مادی وسائل کی یوں حمایت مہیا کی گئی ہو کہ ایسے اعمال کرنا آسان ہو جائے جو نیکی کا تقاضہ ہیں۔"(۲)

اس تصور کو رحمان باباؒ اور فراق گورکھ پوری نے عقل اور ادراک کی قوت سے اپنے نظریات پیش کیے جن میں دونوں شعرا اپنی فلسفیانہ فکر کا اظہار کرتے ہیں۔اس لیے دونوں نے وقت کی ماہیت پر بھی غور کیا ہے۔انہوں نے زندگی اور کائنات کو وقت سے جانچا اور پرکھا۔فراق کا اندازِ حیات اور تصورِ حیات دونوں غیر رسمی ہیں۔یوں رحمان باباؒبھی اپنے فلسفے کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔وہ زندگی کے چند روزہ ہونے کا حساس دلا کر اسے عمل اور اُمید کے سہارے گزارنے کے قائل ہیں۔جیسے کہ وہ کہتے ہیں :

دوبارہ دی راتلہ نیشتہ پہ دنیا
نن دی وار دے کہ دروغ کڑے کہ ریختیا

منظوم ترجمہ:

پھر باطل و حق دیکھے یہ موقع نہیں ہو تا
انسان دوبارہ یہاں پیدا نہیں ہو تا (۳)

جب کہ اس خیال کو واضح کرتے ہوئے فراق بھی جینے اور مرنے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جہاں کی فطرت بیگانہ میں جو کیف غم بھر دیں
وہی جینا سمجھتے ہیں ، وہی مرنا سمجھتے ہیں(۴)

رحمان باباؒ موت کو ایک اٹل حقیقت کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موت ہی خدا اور بندے کے درمیان حجابات کو دُور کرنے کا نام ہے۔وہ کہتے ہیں کہ موت ہی وہ واحد حقیقت ہے جس سے انسان کی قیمت اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے اور موت کے بعد دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ، انسان کے لیے خاک کی اہمیت رکھتا ہے۔

هغه دم چی سړے دروی له جهانه
تورے خاورے سیم و زر درے واړه یو دی

منظوم ترجمہ:

دمِ آخر جو رخصت ہونے لگتی ہے متاعِ جاں
تو قیمت ایک ہو جاتی ہے خاک و سیم کی زر کی [۵]

یہاں فراق کے ہاں بھی زندگی کی ناپائیداری ملتی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ اس دنیا میں اہلِ دنیا کے ساتھ رہنے کی خواہش بھی ہے لیکن یہ حقیقت کہ ان تمام خوب صورت خیالوں کا نتیجہ ہی موت ہے تو کیوں نہ دنیوی زندگی کو آخرت کے لیے سنوارنے پر آمادہ کیا جائے۔مطلب یہ کہ جب دنیا کی یہ حالت ہے اور آخرت کی زندگی کا مزا ضرور چھکنا ہے تو اس غم کے کھانے سے بہتر ہے کہ آخرت کے لیے کچھ عمل کیا جائے۔

اسی اک امر کا ہے انتظار قرنوں سے
کہ کب حیات سے ہو گا حیات کا الحاق[۶]

رحمان باباؒ کے لیے موت انسانی زندگی کے عمل کا فطری اختتا م ہے۔یہ زندگی دکھوں اور مصیبتوں کا مجموعہ ہے۔زندگی کے مختلف مراحل پر غور کرنے کے بعد رحمان باباؒ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر مرنا ہی زندگی کا مقصد ہے تو کتنا اچھا ہو کہ موت جلد ہی آجاتی۔

چی د مرگ سختی خوارئی د ستا په خوا دی
اے رحمانه ولی نه مری لا پخوا

منظوم ترجمہ:

رحمان ہر اک گام ہے اب موت کی سختی
پہلے ہی جو مر جاتا یہ جھگڑا نہیں ہو تا[۷]

جب کہ اس خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فراق بھی موت کے ڈر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس کے انتظار میں ہے کہ بھلا کب آجائے کہ یہ ڈر اور خوف میرے دل سے نکل

جائے۔یہاں رحمان باباؒ اور فراق دونوں کا ایمانی جذبہ اتنا مظبوط ہے کہ دونوں موت تو کیا اس کے تصور سے ڈرتے ہیں۔فراق کہتے ہیں :

ڈراتی موت نہیں موت کا تصور ہے
بلا سے موت ہی آئے مگر یہ ڈر نکلے (۸)

انسانی زندگی کی تابناکی ، زرخیزی اور اس کی افادیت رحمان باباؒ کو معلوم ہے۔رحمان باباؒ زمینی حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اہلِ دنیا کو ان کے فلسفہ حیات کی اس حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے اس دنیا پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو خود بھی تسلیم کرتے ہیں اور اہلِ دنیا پر بھی واضح کر نا چاہتے ہیں کہ یہ زندگی اللہ تعا لیٰ کی امانت ہے۔اس لیے تو کہتے ہیں:

ھر چہ اہل د دنیا وی
واڑہ ھسے دی اکثر

منظوم ترجمہ :

حاکمیت یہی ہے دنیا کی
شیوہ زندگی یہی ہے ادھر (۹)

اس خیال کو فراق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا میں موت کا بار بار وقوع پذیر عمل زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ان کے ہاں فنا کی طرف جھکاو بہت کم ملتا ہے۔وہ زندگی کے ذرّے ذرّے میں کچھ محسوس کر تا ہے۔ان کے ہاں بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت بدستور قائم ہے۔فراق اس زندگی کو موت کی امانت تو سمجھتا ہے لیکن انسانی حیات کو بڑے کام کی چیز بھی کہتا ہے۔فراق کہتے ہیں :

کون رہتی دنیا کو کس طرح کہے فانی
جس کے ذرّے ذرّے میں زندگی مچلتی ہے (۱۰)

رحمان باباؒ کے ہاں زندگی کا احساس بڑی شدّت سے ہے۔وہ انسانیت کے لیے ہر وقت چوکس رہتا ہے۔اس کی نظر زندگی کے ہر بدلتے رُخ پر ہے۔دنیا میں انسان کی پیدائش اور موت کی طرف دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج دنیا دیکھ لو !کل جانے تُو یہاں ہو گا بھی یا نہیں۔کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آج جتنے نیک کام کرسکتے ہو ، کرلو کل کا کوئی پتا نہیں۔ملاحظہ ہو :

کہ دیدن دے د چا خوخ وی ورتہ گورہ
چی فنا شی بیا بہ کلہ شی پیدا

منظوم ترجمہ:

کون ہے جو اس سرائے دہر میں دائم
چل چلاؤ لگ رہا ہے آج میں ،کل تو گیا (۱۱)

اس خیال کو فراق کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔وہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کا مقصد ہی اپنے آپ کو پہچاننا ہے۔کیوں کہ انسانی زندگی میں عشق ہی ایسا جذبہ ہے جس کے ذریعے وہ حقیقی زندگی کا سراغ لگا سکتا ہے۔فراق اپنی ہستی کو کائنات میں سمونے اور کائنات کو اپنے اندر جذب کر لینے کا طلب گار ہے۔وہ زندگی سے پیار کرنے کا درس دیتا ہے۔وہ پیار جس میں آدمی کو سکون قلب حاصل ہو۔کہتے ہیں:

یہی مقصد حیات عشق کا ہے
زندگی زندگی کو پہچانے (۱۲)

رحمان باباؒ کے ہاں اس زندگی کا تصور ہی آخرت ہے۔کیوں کہ مرگ تو زندگی کے ارتقائی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔زندگی کی آسائشیں ، ظاہری اسباب ، خانقاہیں ، عہدے اورمال و دولت وغیرہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔اس لیے رحمان باباؒ دنیا والوں کو اس حقیقت سے آشنا کراتا ہے کہ آج اگر یہ سب کچھ ہے تو کل نہیں ہو گا۔

خہ دہ خہ دہ دا دنیا
چی توخہ دہ د عقبیٰ

منظوم ترجمہ:

اگر سمجھو تو یہ پہلو بہت اچھا ہے دنیا کا
کہ دنیا اہلِ حق کے واسطے توشہ ہے عقبیٰ کا (۱۳)

جب کہ فراق بھی تدبیریں اُلٹ جانے دنیا میں اور اس کی لامحدود فضا میں نئی دنیا کی تلاش کا سفر جاری رکھتا ہے۔اس کے نزدیک تغیر زندگی کا ارتقائی عمل ہے۔وہ ایسی اپیل کو انسانیت کے لیے

لازمی سمجھتا ہے جس کے اثر سے انسان آج مادہ پرستی کی ہوس سے نکل کر حقیقت کو پہچانے ۔بقول فراق

ہے دلیلِ ارتقا سب کی حیات نا تمام
زندگی وہ عہد ہے پورا نہ ہو جو حشر تک(۱۴)

زندگی اور غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔زندگی اور موت ایک تصویر کے دو رُخ ہیں۔رحمان باباؒ کہتے ہیں کہ اے انسان !موت زندگی کی محرومیوں کا ازالہ کرتی ہے۔ملک الموت ،، جنازہ ،قبر ،منکر نکیر، عذاب اور محشر وغیرہ ایسی کیفیات ہیں جن سے گھبراہٹ ایمان کا تقاضا ہے۔اس لیے ایک طرف زندگی کے غم اور دوسری طرف سہتے ہوئے آخرت کے غم سہتے ہوئے انسان کو قرار کیسے آسکتا ہے۔اس خیال کو واضح کرتے ہو ئے یوں لکھتے ہیں :

بلہ لارد مرگ تر لاری گرانہ نیشتہ
چی پہ خوا یے ھسے لار وی سہ بہ خوب کا

منظوم ترجمہ:

اے زیست کے مسافر راہِ اجل گراں ہے
تو کیسے سو سکے گا دل بے قرارہو گا (۱۵)

فراق کوزندگی کی بے ثباتی ، درد و الم ،جیتے جی خاک میں مل جانا اور بے آرزو ہو نا ہر گز پسند نہیں ، لیکن وہ بھی اس زندہ حقیقت سے انکار نہیں کرتا، کہتا ہے کہ زندگی تو ایک معمہ ہے ۔انہوں نے زندگی کی نامرادیوں سے نبٹنے کی بھر پور کوشش کی۔مگر پھر بھی زندگی کی پیچیدگیوں سے گھبراتے نہیں بل کہ ان مشکلات سے گزر کر ہی زندگی کی طرف دوڑتے ہیں۔

نہ سمجھنے کی باتیں ہیں نہ سمجھانے کی
زندگی اُچٹی ہوئی نیند ہے دیوانے کی (۱۶)

رحمان باباؒ اورنگ زیب عالمگیر کی تباہی و بربادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زندگی کی حقیقت یہی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی بادشاہت کا تختہ اُلٹ گیا اور اس کی موت سے وہ سب کچھ جس پر وہ ناز کرتا تھا ، تباہ و برباد ہو گیا۔اصل میں شاعر کہنا چاہتا ہے کہ یہی حالت ایک عام انسان کی

بھی ہے ، جب اسے موت آجاتی ہے تو اس کا سب کچھ اس دنیا میں رہ جاتا ہے اور وہ اپنے ساتھ صرف کفن لے کر جاتا ہے۔

ھمگی شو زنی پاتی
کہ یے ملک وو کہ لکر

منظوم ترجمہ:

موت کے صرف ایک حملے میں
نہ رہا تخت و تاج نے لشکر (۱۷)

جب کہ رحمان باباؒکا ہم خیال فراق بھی کہتا ہے کہ زندگی تضادات سے بھری ہے ،لیکن زندگی کے یہی تضادات فراق کوکسی کشمکش میں مبتلا نہیں کرتے۔فراق ان میں وحدت کے خواہش مند ہیں ،زندگی کے خیر و شر ، بلندی و پستی ، قدیم و جدید کلاسیکیت و رومانیت ارضیت و آفاقیت اور مادیت و روحانیت کو ناکافی سمجھتا ہے۔وہ زندگی کو کسی نظام میں قید کرنے کا قائل نہیں۔ان کے نزدیک زندگی کا نام اپنے آپ سے ہم آہنگ ہو نے کا نام ہے۔

دریا کے مدو جزر بھی پانی کے کھیل میں
ہستی ہی کے کرشمے ہیں کیا موت کیا حیات(۱۸)

رحمان باباؒ خالق اور مخلوق کے مابین فاصلے باٹنے میں اپنا کر دار اد کرتے ہیں۔وہ اپنے اشعار کے ذریعے انسان کی اخلاقی تربیت کا فریضہ اچھے طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ان کا لہجہ عمومی اخلاقیات اور تصوف و معرفت کے مضامین سے تشکیل پاتا ہے۔زندگی کی بے وفائی کو انہوں نے تسلیم کیا۔زندگی کے مختلف مراحل سے گزر کر یہی زندگی ان کے نزدیک ایک اکائی ہے۔بچپن ،جوانی اور بڑھاپا اس کی وسعتوں میں اضافہ کرتے ہیں ، لیکن موت ہی ایسی حقیقت ہے جو انسان کو بے سرو سامان کر دیتی ہے۔ اس لیے وہ انسانوں سے کہتا ہے کہ انہیں دنیا کے میلے پر دھوکا نہیں کھا نا چاہیے۔

سیرابی پہ سر چشمو د دنیا نیشتہ
تشنہ لب یے گوخے گوخے پہ غو غا دے

منظوم ترجمہ :

سیراب یہاں کوئی ہوا تھا نہ ہوا ہے
کیوں چشمہ دنیا پہ یہ میلہ سا لگا ہے (۱۹)

فراق بھی زندگی کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانی زندگی فنا ہونے والی ہے ،لیکن وہ زندگی سے کچھ اخذ کرنا چاہتے ہیں۔وہ زندگی کی اصل میں کھو کر یہاں جو میلہ لگا ہوا ہے اس کی حقیقت سے خود بھی باخبر رہنا چاہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی اصل تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے ہاں حیات اور کائنات کی پر اسراریت کا اظہار ملتا ہے۔یہ فراق کا جذبہ صداقت ہے کہ وہ زندگی کے حجابات کی تفسیر بھی بہت عمدہ طریقے سے کرتا ہے۔

شب زندگی ہے حقیقت کا پردہ
گھنی رات میں جوت من کی جگا لے(۲۰)

آخر میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ فراق اور رحمان باباؒ کے تصور مرگ و حیات کا زاویہ الگ نہیں ، نہ ہی دونوں انسان کو معاشرے سے الگ تھلگ رہنے کی تلقین کرتے ہیں بل کہ دونوں کائناتی تضاد میں بھی زندگی کی نتیجہ خیز سعی جاری رکھتے ہیں۔اگر زندگی معما ہے تو دونوں تقدیر سے الجھتے نہیں بل کہ اللہ تعالی کی قدرت پر ان کا کامل ایمان ہے۔یہ دونوں سمجھتے ہیں کہ جبری ناکامیاں زندگی کا حصہ ہیں کہ قبولیت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ان دونوں شعرا کا کمال یہ ہے کہ دونوں زندگی کے اکتائے ہوئے اور نا آسودہ ماحول میں فطرت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مصیبتوں اور مظلومیت میں زندگی امیز حقیقت ڈھونڈتے ہیں۔زندگی کی لاحاصل کوششوں کے نتیجے میں مایوس نہیں ہوتے بل کہ سب سے بڑے مقصد کی طرف گامزن ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سیّد عابد حسین۔ مرتب (مکالمات افلاطون)، تخلیقات پریس لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۷

۲۔ امجد محمود، مترجم، مثالی ریاست ارسطو، حصہ ہفتم، باب اوّل۔ نیکی اور خوشحالی میں تعلق۔ بک ہوم، لاہور ۲۰۰۵ء ص ۳۵۹

۳۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان۔ انتخاب (ناصر علی سیّد)، انٹر گرافکس پرنٹرز، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء ص ۳۹

۴۔ فراق۔ رمز و کنایات (غزلیات) سنگم پبلشنگ ہاؤس الہ آباد ۱۹۴۷ء ص ۱۶۳

۵۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۱۹۵

۶۔ جہان فراق۔ مرتب تاج سعید۔ سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۷۶

۷۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۴۳

۸۔ فراق گورکھ پوری۔ شعلۂ ساز۔ (انتخاب) مکتبہ اُردو ادب لاہور سن ندارد، ص ۱۱۹

۹۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۱۳۷

۱۰۔ جہان فراق، مرتب تاج سعید، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۳۸

۱۱۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۴۵

۱۲۔ فراق شبنمستاں۔ غزلیات (۱۹۳۹ء تا ۱۹۷۵ء) قوسین پریس، لاہور ۱۹۷۹ء ص ۴۲۱

۱۳۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۵۱

۱۴۔ جہان فراق۔ مرتب تاج سعید، ص ۲۷۵

۱۵۔ رحمان بابا (منتخب کلام مع اُردو ترجمہ) از پروفیسر طٰہٰ خان، ص ۶۷

۱۶۔ فراق شبنمستاں۔غزلیات(۱۹۳۹ءتا۱۹۷۵ء)ص۴۵۵

۱۷۔ رحمان بابا(منتخب کلام مع اُردو ترجمہ)از پروفیسر طٰہٰ خان ص۱۳۱

۱۸۔ فراق شبنمستاں۔غزلیات(۱۹۳۹ءتا۱۹۷۵ء)،ص۸۶

۱۹۔ رحمان بابا(منتخب کلام مع اُردو ترجمہ)از پروفیسر طٰہٰ خان ص۲۱۱

۲۰۔ فراق گورکھ پوری۔شعلۂ ساز ،ص۱۹۸